

جامعہ حقانیہ کاترجمان

ساہیوال

سرگودھا

الحقانیہ

مجلہ

محرم الحرام ۱۴۳۴ھ دسمبر ۲۰۱۲ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رندی قدس سرہ

2

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

دینی مدارس پہ چھاپے اور طلبہ کی شہادت

گزشتہ چند ماہ سے کراچی میں دینی مدارس اور جامعات پر حکومت کی طرف سے چھاپوں کا سلسلہ شروع ہے۔ جس سے پورے ملک کے دینی حلقوں میں شدید اضطراب پایا جا رہا ہے۔

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں مسلمانوں کے لاکھوں بچے ان میں زیر تعلیم ہیں جنہیں دینی تعلیم کے ساتھ ضروری عصری علوم پڑھا کر ان کی اخلاقی و دینی تربیت کی جاتی ہے۔ ان دینی جامعات و مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے علماء کرام دین کے تمام شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے ہیں، پوری دنیا میں کسی بھی دینی شعبے کو لے لیا جائے اس کا تعلق خواہ درس و تدریس، امامت و خطابت، تصنیف و تالیف، اصلاح و تربیت سے ہو یا افتاء و تبلیغ اور ارشاد سے، اس میں کام کرنے والے انہیں دینی مدارس کے فضلاء اور انہیں کے تعلیم و تربیت یافتہ حضرات ہیں۔

تحریک پاکستان کے موقع پر جہاں اور طبقات سے وابستہ افراد نے مملکت اسلامیہ پاکستان کی بنا اور تعمیر میں حصہ لیا وہیں دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کرام نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر خدمات سرانجام دیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں نہ صرف قائدانہ کردار ادا کیا بلکہ دو قومی نظریہ جو پاکستان کی اساس ہے اسے بھی ان دینی مدارس کے تربیت پانے والے حضرات نے ہی فراہم کیا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، اور حضرت حکیم الامت مجدد الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کے لاکھوں متوسلین کی خدمات تحریک پاکستان کا وہ سنہری باب ہے جس کا کوئی مؤرخ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بانی پاکستان جناب قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کے لیے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی پیش کیا، چنانچہ آپ نے مشرقی پاکستان میں اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی پاکستان میں پرچم کشائی فرمائی۔ مملکت اسلامیہ کے معرض وجود میں آنے کے بعد سے اب تک پینسٹھ سال کے اس طویل عرصہ میں دینی مدارس کا کردار یہی رہا کہ انہوں نے ہمیشہ دین اسلام کی سر بلندی و عظمت اور ملک کے بقا و تحفظ کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، لیکن ملک دشمن عناصر اور سیکولر طاقتیں جو کسی قیمت پر وطن عزیز اور یہاں اسلامی نفاذ کو برداشت نہیں کر سکتیں، انہوں نے ہمیشہ ان دینی اداروں کی مخالفت کی اور اس کے لیے ہمیشہ ہر حربہ استعمال کیا حتیٰ کہ اس بارہ میں کسی بھی الزام تراشی اور پروپیگنڈہ سے دریغ نہیں کیا۔ دراصل ان مخالفین کی کوشش اور خواہش ہے کہ دینی مدارس کو یکسر ختم کر دیا جائے تاکہ اسلام کے تحفظ اور بقا کے ظاہری اسباب ہی باقی نہ رہیں، اسی لیے وہ دینی مدارس کے خلاف نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے چکر میں رہتے ہیں لیکن انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ دینی مدارس اور اسلام ایک حقیقت ثابتہ ہے، جو قیامت تک کے لیے اس کی حفاظت کا وعدہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور کتاب لاریب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَاحْفَظُوْنَہُ۔ اس لیے دنیا کی کوئی طاقت اسلام اور دینی مدارس کو نہیں مٹا سکتی۔ قال تعالیٰ یَرِیدُونَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ باَفْوَاہِمُ وَاَللّٰہُ مَتِّمٌ فُوْرَہُ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

خسرو بارگاہ اشرفی حضرت خواجہ عزیزالحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار بھی اسی حقیقت کے ترجمان ہیں ۔

مرافقش ہستی نہیں مٹنے والا بتوں کے مٹائے یہ مٹا نہیں ہے
اسے میٹنے میں یہ مٹ جائیں گے خود کہ یہ نقش سجدہ ہے قشقہ نہیں ہے
کچھ عرصہ قبل عالم اسلام کی عظیم دینی و علمی درس گاہ جامعہ دارالعلوم کراچی پر حکومت کی طرف سے جامعہ کی انتظامیہ کو اعتماد میں لیے بغیر، بغیر کسی پیشگی اطلاع کے جب چھاپہ ڈالا گیا اور جامعہ دارالعلوم کو کئی گھنٹہ تک اپنی حراست میں رکھا گیا تمام دینی حلقوں اور طلبہ و علماء سے تعلق رکھنے والے تمام مسلمانوں کو اس سے شدید صدمہ پہنچا اس لیے سب جماعتوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ بلاشبہ حکومت کا یہ طرز عمل انتہائی افوس ناک اور قابل مذمت تھا یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات کو اس بات کا بھی احساس نہ ہوا کہ جامعہ دارالعلوم کراچی وہ عظیم ادارہ اور اسلامی یونیورسٹی ہے جس کے بانی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں شامل رہے اور مسلم لیگ کی حمایت میں انہوں نے اس وقت فتویٰ صادر فرمایا جب حضرات علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کھل کر تحریک پاکستان کی مخالفت کر رہی تھی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ سے مسلم لیگ نے ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی اور مملکت اسلامیہ پاکستان معرض وجود میں آئی۔ جامعہ دارالعلوم کراچی نے ہمیشہ بڑے اعتدال اور متوازن انداز کے ساتھ دین کے مختلف شعبوں میں سنہری خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کا علمی و روحانی فیض آج دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا ہے۔

دارالعلوم کے ذمہ دار صدر جامعہ جناب حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع

عثمانی مدظلہم اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم عالم اسلام کی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں، جن کی خدمات کا اعتراف آج پوری دنیا کر رہی ہے لیکن افسوس کہ ہماری حکومت کے ذمہ دار حضرات ان حقائق سے ناواقف ہیں، فالی اللہ المشتکی من دیدن اهل الزمان الذی شاع فیہ الشر والطغیان۔

بہر حال اس افسوس ناک چھاپے کے بعد حکومتی حلقوں کی طرف سے یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ آئندہ کسی دینی ادارہ کے خلاف اس قسم کی کارروائی نہیں کی جائے گی اور کسی مدرسہ کے بارہ میں کوئی شکایت ہوئی تو متعلقہ مدرسہ کی انتظامیہ اور وفاق المدارس سے رابطہ کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود جامعہ اشرف المدارس کراچی پر سرکاری فورسز نے ادارہ کے ذمہ دار حضرات کی اطلاع کے بغیر چھاپہ مارا اور طلبہ کو ہراساں کیا۔

جامعہ اشرف المدارس کے بانی عارف باللہ حضرت حکیم محمد اختر دامت برکاتہم ہیں جبکہ اس کے مہتمم آپ کے خلف الصدق حضرت مولانا حکیم مظہر صاحب مدظلہم ہیں۔ یہ حضرات اس ادارہ کو خالصہ دینی و اصلاحی طرز پر چلا رہے ہیں، اس جامعہ میں تعلیم کے ساتھ روحانی تربیت کا خاص اہتمام ہے اس کے باوجود فورسز کا یہ چھاپہ انتہائی افسوسناک اور قابل مذمت ہے، اس کے بعد مزید افسوسناک واقعہ اور سانحہ یہ پیش آیا کہ کراچی کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ احسن العلوم کے طلبہ کو دہشت گردوں نے شہید کر دیا اس پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان طلبہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازیں، آمین۔ ہم ان تمام واقعات کی شدید مذمت کرتے ہیں دہشت گردی کے اس واقعہ میں جو افراد ملوث ہیں یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں قرار واقعی سزا دے۔ حکومتی حلقوں کی

طرف سے جامعہ دارالعلوم کراچی کے بعد کسی بھی دینی مدرسہ کے خلاف کارروائی نہ کرنے کی یقین دہانی کے باوجود اشرف المدارس پر چھاپے کی کارروائی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نمائندہ حالیہ اجتماع کے اعلامیہ کے مطابق :

اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ دینی مدارس کے خلاف اس قسم کی کارروائیوں کی ڈور کھیں اور سے ہلائی جا رہی ہے ، جس کا مقصد دینی مدارس کے تعلیمی اور معاشرتی کردار کو غیر موثر بنانا اور فرقہ وارانہ دہشت گردی کو فروغ دے کر دینی حلقوں کے خلاف عوام میں نفرت کا ماحول پیدا کرنا اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانا ہے جو عالمی سیکولر لابیوں کا سبب ہے ۔ ان حالات میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملکی حالات کی نزاکت کو سمجھے ، اپنی پوزیشن واضح کرنے کے ساتھ دینی مدارس کی آزادی اور وقار کے تحفظ کے لیے اپنی پالیسیوں کے بارہ میں ملک کے عوام ، دینی حلقوں اور دینی مدارس کے تمام وفاقوں کو اعتماد میں لیں ۔ اسی طرح میڈیا کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ دینی مدارس کے خلاف منہی پروپیگنڈہ کرنے والوں سے متاثر نہ ہو اور ان کے مثبت اور روشن پہلو کو کردار کو عوام کے سامنے پیش کرے ۔ ملک بھر کے تمام اسلامی حلقے ، محب وطن حضرات بھی اپنی بیدار مغزی کا ثبوت دیں ، سلامی علوم کی ترویج و اشاعت ، اسلامی روایات اور مملکت اسلامیہ کی اساس و بنیاد کے محافظ دینی مدارس کے خلاف سیکولر لابیوں کی منہی مہم کے سدباب میں دلچسپی کا مظاہرہ کریں اور اس جدوجہد میں شریک ہو کر دینی مدارس کی نمائندہ تنظیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پرامن تحریک کا ساتھ دیں واللہ الموفق والمعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ فقط

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

۲۹ / ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ

مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

درس حدیث

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بی ذرای عری الايمان اوثق؟ قال الله ورسوله اعلم قال الموالاة فی الله والحب فی الله والبغض فی الله۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے) ابوذر نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے (لہذا حضور ہی ارشاد فرمائیں) آپ نے فرمایا اللہ کے لیے باہمی تعلق و تعاون اور اللہ کے واسطے کی کسی سے محبت اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔ (شعب الایمان للبیہقی) تشریح:

مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال و احوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو، خواہ موالات ہو یا ترک موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أولادکم علی شیء اذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بینکم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ، اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔ (مسلم)

تشریح :

اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ و رسول کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو، اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو، اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو، اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لیے بھی چاہے، اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت و مودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

مرسلہ : محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ

بقلم : حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ

ایک صاحب زیارت کے لئے آئے اور دو زانو بیٹھ گئے، اس پر فرمایا تکلف کی ضرورت نہیں، آرام سے بیٹھئے۔ یہ طالب علموں کی مجلس ہے کسی درویش یا عالم کی مجلس نہیں کہ اس قدر تکلف کو کام میں لایا جائے۔

فرمایا زمانہ تحریکات (خلافت) میں ایک مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دوسرے مولوی صاحب نے میرے متعلق یہ کہا کہ یہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہے، راوی نے ان سے پوچھا کہ سچ کچھ کہہ کیا واقعی تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں کہنے لگے کہ حاشا وکلا میرا یہ ہرگز خیال نہیں۔ کہا پھر کیوں کہتے ہو؟ کہنے لگے کہ اپنی آواز کو زوردار بنانے کی غرض سے۔

فرمایا ایک سوداگر کا خط آیا کہ مجھ کو تجارت میں نقصان ہوا ہے جس سے مجھ کو بہت قلق ہے اور گوزبان سے میں اس رنج کا اظہار کرتا مگر دل سے نقصان پر آمادگی نہیں ہے، اس وجہ سے مجھ کو ایک شبہ اپنے متعلق ہوتا ہے کہ جب نقصان اس کے حکم سے ہوا اور اس (نقصان) پر راضی رہنے کا حکم ہے تو پھر صدمہ کیوں ہے یہ تو رضا (بالقضاء) کے خلاف ہے، اور گو اس نقصان سے میری طبیعت متاثر ہے مگر عقل متاثر نہیں ان کو یہ جواب دیا گیا کہ یہ قلق طبعی ہے جو مالکی حب طبعی سے پیدا ہوا ہے جو مذموم نہیں اور حقیقت رضا کی ترک اعتراض علی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ وہی ہے کہ جس کو آپ نے عقل کا متاثر ہونا لکھا ہے اب لوگ رضا کی یہ حقیقت سمجھتے ہیں کہ جب

نقصان ہو تو خوش ہو کہ خوب ہوا نقصان ہو گیا، سو بندہ اس کا مکلف نہیں، نقصان پر رنج ہونا خاصہ بشری ہے ہاں اس کا مکلف ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو اس سے ناراض نہ ہو جائے، یہ غلط فہمی کم علم واعظوں کی پھیلائی ہوئی ہے۔

فرمایا کہ میں ایک مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں وہ یہ کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اعتقاد رکھنا اور اس کو اللہ والا سمجھنا تو ضروری نہیں مگر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ دنیا میں ضرور موجود ہے اس کے خلاف اعتقاد جائز نہیں، کیونکہ اتنی مقدار منصوص ہے۔

۱۹۱۵ء کے قریب کے زمانہ میں ایک بار سفر میں جبکہ تھانہ بھون سے مانو تہ تشریف لے جا رہے تھے تو مولوی محمد عمر صاحب کٹھوری اور احقر کی موجودگی میں ریل میں بیٹھے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس رہ کر دو شخص مجھ سے بدظن نہیں ہو سکتے ایک تو وہ جو پورا عاقل ہو کہ میرے ہر فعل کی حکمت اس کی سمجھ میں آجائے یا وہ پورا عاشق ہو کہ میرا جو فعل بھی ہو اس کی نظریں بالکل مناسب اور بجا ہو۔

ایک مرتبہ حضرت ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو کہ حضرت کی خدمت میں عارضی قیام کے لیے حاضر ہوا تھا اور اتفاق سے پیار ہو گیا تھا اس نے عرض کیا کہ حضرت میرا دل وطن جانے کو چاہتا ہے تو یہ میری حالت کچھ بری تو نہیں؟ تو حضرت نے اس کی تسکین فرمائی اور فرمایا کہ تمہاری یہ حالت بری نہیں اس کے بعد حضرت نے برسبیل تذکرہ ایک جملہ فرمایا کہ بحمد اللہ تعالیٰ میرے قلب کا تعلق نہ دوستوں سے ہے اور نہ دشمنوں سے (لیکن بفضلہ تعالیٰ حضرت حقوق دوستوں کے بھی ادا فرماتے ہیں اور دشمنوں کے بھی)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق مدظلہم ملتان

توہین رسالت و ہشت گردی ہے!

تقریباً وقتاً فوقتاً سربراہان مملکت اعلان کرتے رہتے ہیں کہ دہشت گردی روکیں گے، دہشت گردی جڑ سے اکھیڑ دیں گے دہشت گردی ختم کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے۔ خصوصاً صدر مملکت جہاں کہیں بھی دورے پر گئے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ دہشت گردی ختم کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی جاتی کہ دہشت گردی کیا ہے، حتیٰ کہ اعلان مکہ میں بھی دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی۔ بظاہر ان کے نزدیک دہشت گردی یہ ہے کہ امریکہ مخالف جمادی تنظیمیں دہشت گرد ہیں یا جو بھی امریکہ مخالف ذہن رکھتا ہو وہ دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور اس کو القاعدہ کا ساتھی قرار دے کر امریکہ کے حوالے کیا جاتا ہے یا منظر سے غائب کر دیا جاتا ہے جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ؟ اپنے ملک میں ہے یا کسی دوسرے ملک کے حوالے کر دیا گیا، اس سے زیادہ ان سربراہان مملکت کے نزدیک دہشت گردی کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے کہ ہمارے سربراہان مرعوب ہونے کی وجہ سے امریکہ کی بتلائی ہوئی دہشت گردی کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

دہشت گردی کی تعریف

دہشت گردی یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور فارسی کی مشہور لغت غیاث اللغات صفحہ ۲۱۹ پر دہشت گردی کا معنی لکھا ہے حیرت و سراسیمگی اور صفحہ ۲۶۷ پر سراسیمہ کا معنی شوریدہ یعنی پریشان لکھا ہے۔ اسی طرح عربی لغت مصباح اللغات صفحہ

۲۳۹ پر دہشت کا معنی متحیر ہونا لکھا ہے ۔ لغت کی ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوا کہ دہشت کا معنی ہے حیرانی ، پریشانی ، مدہوشی اور دہشت گردی کا معنی ہے حیرانی ، پریشانی اور مدہوشی پھیلانے والا۔ لہذا ہر وہ شخص دہشت گرد کہلائے گا جو انسانوں کو پریشانی میں مبتلا کرتا ہے اور امن عامہ کو نقصان پہنچاتا ہے جس سے عوام پریشان ہو جاتی ہے ۔ دہشت گرد اپنی قوت کے ذریعہ دوسرے کی رائے بدل دیتا ہے اسی طرح جو بھی شخص انسانوں کی قیمتی چیزوں کا نقصان کرے وہ دہشت گرد ہے ۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے اسی دہشت گردی کو روکنے کے لیے ایک اصول تجویز فرمایا ہے :

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ۔ اسلام نام ہی امن و سلامتی کا ہے ۔ سب سے پہلے انسان زبان سے گالی اور ہاتھ سے تھپڑ اور مکے کے ذریعے دوسرے کو پریشان کرتا ہے ، اگر اس پر ابتداء میں ہی قابو پایا جائے تو دہشت گردی ابتداء میں ہی ختم ہو جاتی ہے ۔

ہاتھ کی دہشت گردی پروان چڑھتی ہے تو دوسروں کے مال کی چوری کرنا ، ڈاکے ڈالنا ، قتل کرنا ، دوسرے کے گھر طاقت کے زور سے گھس جانا ، دوسرے کے گھریا زمین پر قبضہ کر لینا جیسے جرائم سرزد ہوتے ہیں ، جس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں اور امن عامہ خطرے میں پڑ جاتا ہے ، اسی بنا پر اگر کوئی ملک دوسرے ملک پر چڑھائی کر دیتا ہے تو بڑے درجہ کی دہشت گردی شمار ہوگی جیسا کہ امریکہ افغانستان میں گھس کر یا پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کے ذریعہ اور اسی طرح انڈیا ، کشمیر میں گھس کر دہشت گردی کر رہے ہیں اور کوئی ملک بھی ان کو روکنے کی بات نہیں کر رہا ۔

ایسے ہی جب زبان کی دہشت گردی پروان چڑھتی ہے تو لازم لگا کر یا جھوٹا مقدمہ درج کروا کے یا جھوٹی گواہی دے کے یا تہمت لگا کر لوگوں کو پریشان کرتی ہے

اور امن عامہ کو تباہ کرتی ہے، اس کا سد باب کرنے کے لیے اسلام نے تعزیر اور زنا کی تہمت (چونکہ سنگین دہشت گردی ہے اس لیے اس) کی سزا اسی کوڑے مقرر کی ہے تاکہ امن عامہ میں خلل نہ آئے اور نقض امن نہ ہو جب سے کافروں کا مسلمان ملکوں پر تسلط ہوا ہے اسی وقت سے کفار نے اسلحہ کے زور پر مسلمان ملکوں میں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے، اسی طرح سے انہوں نے زبان کی دہشت گردی کو اتہام تک پہنچا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توہین کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جو کہ تمام مسلمانوں کے لیے پریشانی کا سبب ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توہین بھی دہشت گردی ہے کہ ہر مسلمان محبت رسول ﷺ کی وجہ سے ناقابلِ برداشت اذیت محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ توہین کرنے والے کو مارنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔

ایک ضابطہ ملحوظ رہے کہ دوسرے کی جان، مال، عزت پر حملہ کرنے والا دہشت گرد ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کرنے والا مجاہد کہلاتا ہے اگر ان چیزوں کو بچاتا ہو مارا جائے تو شہید کہلاتا ہے، اس لیے جو ناموس رسالت پر حملہ کرتا ہے وہ دہشت گردی کرتا ہے اور جو اس کی پاسبانی کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید کہلاتا ہے۔ اس سے دو امر ثابت ہوئے :

- (۱) کسی کی جان، مال اور عزت پر حملہ کرنے والا دہشت گرد ہے۔
 - (۲) دہشت گردی کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے اور ردِ عمل میں دہشت گرد کو مارنے والا مجاہد ہے دہشت گرد نہیں۔
- حضور ﷺ کی توہین کرنے والا دہشت گرد ہے
- (۱) حضور ﷺ کی توہین کرنے والا ایک شخص کو نہیں بلکہ کل امت مسلمہ

کو پریشانی میں مبتلا کرنے والا ہے، لہذا یہ سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔

(۲) حضور ﷺ کو ایذا پہنچانے والا قرآن پاک کی رو سے واجب القتل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ترجمہ) بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں اللہ کی طرف سے لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔

دنیا میں لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا لہذا یہ جرم قابل قتل ہو اتو ایسے مجرم کو دہشت گرد قرار دیا جائے گا جس کا مرتکب قابل قتل ہو۔

(۳) جس کا روائی کے رد عمل میں قتل کا حکم ہو وہ دہشت گردی ہے، اور توبین رسالت مآب ﷺ کے رد عمل میں قتل کرنے کے واقعات معروف ہیں مثلاً متحدہ ہندوستان میں غازی علم الدین شہید اور پاکستان سندھ میں حاجی مانک اور غازی علم الدین شہید کے قصے معروف ہیں۔

(۴) جس کی ذات کی عزت پر مسلمان جان، مال اور اولاد قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اس کی توبین کا بدلہ لینے کے لیے تمام مسلمان اپنی جان، مال، اولاد اور عزت قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، اس لیے توبین رسالت کو سب سے بڑی دہشت گردی قرار دیا جائے گا۔

(۵) اسلام میں ڈاکہ، قتل، زنا کی سزا قتل ہے اور تمام اقوام ڈاکو، قاتل، زانی کو دہشت گرد قرار دیتی ہیں۔ اسی طرح اسلام میں توبین رسالت ﷺ موجب قتل جرم ہے لہذا اس کو بھی دہشت گردی قرار دیا جائے گا۔

خلاصہ

توبین رسالت دہشت گردی ہے اور حالیہ احتجاجات کو تمام مسلمان ملکوں کی

عوام میں پریشانی، بے قراری کے پیدا ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔
مسلمان سربراہوں سے درخواست

(۱) اپنے تمام ملکوں میں عدالتوں کے ذریعہ قانون پاس کروائیں کہ توہین رسالت کرنے والا دہشت گرد ہے اور تمام مسلمان عدالتیں اس توہین کو دہشت گردی قرار دیں، نیز اقوام متحدہ سے بھی توہین انبیاء ﷺ کو دہشت گردی قرار دلا یا جائے۔
(۲) تمام مسلمان سربراہ اعلان کریں کہ توہین رسالت کرنے والا ہمارے قانون کی رو سے دہشت گرد ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ لہذا توہین رسالت کرنے والے مجرم کو ہمارے حوالے کیا جائے۔

(۳) جب تک یورپی ممالک ان دہشت گردوں کو مسلم سربراہوں کے حوالے نہ کریں اس وقت تک مسلمان سربراہ کسی مجرم کو ان کافروں کے حوالہ نہ کریں۔
(۴) تمام مسلمان سربراہ اعلان کریں کہ آزادی رائے کی آڑ میں توہین رسالت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

کیا آزادی رائے کی آڑ میں حکومت کے خلاف بغاوت کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

کیا آزادی رائے کی آڑ میں بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے؟

کیا آزادی رائے کی آڑ میں حضرات انبیاء ﷺ کی توہین کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

کیا آزادی رائے کی آڑ میں صدر مملکت کو گالیاں دی جاسکتی ہیں؟
اسلام میں دہشت گردی کی انتہاء یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ناموس پر حملہ

کر کے اس کی توبین کی جائے اسلام میں اس کی سزا قتل اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس لیے مغرب کی پیروی میں جو مسلمان کھلانے والے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توبین کے مرتکب ہوتے ہیں یا غیر مسلم اقلیت کی جو افراد سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توبین کے مرتکب ہوتے ہیں اسلام میں ان کی سزا قتل رکھی ہے اور اس قانون کا نام ہے: قانون تحفظ ناموس رسالت۔

اب جو مرد یا عورت قانون تحفظ ناموس رسالت میں ترمیم کرنا چاہے یا ختم کرنا چاہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ توبین رسالت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور وہ بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توبین کا مرتکب ہو کر دہشت گردی پھیلانا چاہتا ہے جس سے تمام مسلمان پریشان اور اذیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس قانون کا استعمال غلط ہوتا ہے تو اس کا یہ حل نہیں کہ اس قانون کو ختم کر دیا جائے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مقدمہ درج کرنے کا طریقہ کار ہی ایسا اختیار کیا جائے جس میں یہ شبہ ہی نہ رہے کہ اس قانون کا غلط استعمال ہوا ہے، اور اگر بالفرض آپ کے نزدیک اس کا یہی حل ہے کہ اس قانون کو ختم کر دیا جائے تو پھر جتنے قوانین کا غلط استعمال ہوتا ہے ان سب کو ختم کرنا پڑے گا، مثلاً چوری، زنا، ڈاکہ، اور زمین کے جھوٹے مقدمات درج کرائے جاتے ہیں اور غریب طبقہ کا استحصال کیا جاتا ہے اور ماورائے قانون یہ سب کچھ ہوتا ہے، ان قوانین کو بھی پھر ختم کر دیا جائے۔

اب ذمہ داری پارلیمنٹ پر ہے کہ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی توبین کو دہشت گردی کے زمرے میں لائے۔ عدلیہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جیسے خود کش حملہ کرنے والا، بم دھماکہ کرنے والا، ڈاکہ ڈالنے والا دہشت گرد ہے ایسے ہی توبین رسالت کا ارتکاب کرنے والا دہشت گرد ہے، عدالت توبین رسالت

کا ارتکاب کرنے والے کو دہشت گرد قرار دے نہ یہ کہ توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کر کے ناموس رسالت پر فدا ہونے والے کو دہشت گرد قرار دے۔

اس تفصیل کو جاننے کے بعد سوچنے کی بات یہ ہے کہ شیریں رحمن نے قانون تحفظ ناموس رسالت میں ترمیم کابل پیش کر کے کسی دہشت گردی کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا؟ جس سے سارے مسلمان پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ اور اسی طرح عاصمہ جہانگیر نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی توہین کر کے دہشت گردی نہیں پھیلانی تھی؟ جس کے نتیجے میں پارلیمنٹ کے ارکان نے قانون تحفظ ناموس رسالت کابل پاس کر کے قانون بنایا تھا اور وہ اس پر قائم ہے، اس نے ابھی تک تو بہ نہیں کی۔ ایسے ہی پچھلے دنوں جب تحفظ ناموس رسالت کے لیے ملک گیر ہڑتال کی گئی تو عاصمہ جہانگیر نے یہ بیان دیا کہ ملاؤنڈے کے زور پر ہڑتال کرا سکتا ہے لیکن دل نہیں جیت سکتا، اور اس نے سڑکوں پر دہشت گردی پھیلانی ہے، کیا یہ بیان دہشت گردی نہیں؟

یہ دونوں مستورات جو کہ عملاً مکشوفات ہیں اس قانون کو ختم کرانے کی سعی میں لا حاصل کر کے دہشت گردی تو نہیں پھیلا رہیں؟ ایسے ہی ان کو مملکت میں اعلیٰ مناصب دے کر ملک کے سربراہان دہشت گردی کرنے والوں کی سرپرستی تو نہیں کر رہے؟

فقط والسلام بندہ محمد صدیق غفرلہ

خادم الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

فقہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت

محترم المقام زاد مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مزان گرامی؟

مجھے ”آئین لاہور“ کے دو شمارے ۶/۱۳ و ۶/۱۶ موصول ہوئے۔ ان میں
”فتاویٰ رشیدیہ“ کی ایک عبارت جس کا حاصل یہ ہے کہ:

”مکفر صحابہ سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا“ کے متعلق یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی گئی ہے کہ ”اس میں کتابت کی غلطی نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً مولانا لنگوہی کا
عقیدہ اور فتویٰ یہی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنے والا اہل سنت جماعت سے
خارج نہیں ہوگا“۔

مضمون نگار کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا لنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے
”اپنی زندگی میں کبھی اپنے اس فتویٰ کو واپس نہیں لیا نہ ہی کوئی وضاحت
یا تردید فرمائی“۔ (آئین ص ۲۰/۱۳)

مضمون نگار کی معلومات کے لیے گزارش ہے کہ حضرت مولانا لنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں نہیں ہوا، بلکہ حضرت
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مقامات مختلف سے فتاویٰ کو جمع کر کے ان کو ایک جگہ
مرتب کیا گیا ہے، جب محولہ بالا عبارت کو کتابت کی غلطی کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
نے ملاحظہ ہی نہیں فرمایا تو وہ اس کی وضاحت یا تردید کیسے فرماتے؟ اور حضرت
مولانا موصوف کے ”اس فتویٰ کو واپس“ لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ یہ

کتابت کی غلطی ہے مولانا کا فتویٰ نہیں ہے۔

کتابت کی غلطی سے تبدیل شدہ صورت کے بعد اس کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نہیں کہا جاسکتا، جس کو مضمون نگار نے ”اہل سنت والجماعت“ کے اس متفقہ عقیدہ سے مختلف سمجھا ہے کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے“۔

کتابت کی غلطی پر اس قرینہ کے قائم ہوتے ہوئے کہ ”فتویٰ مذکور ہی میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مکفر صحابہ کو ملعون اور اس کی امامت کو حرام قرار دیا ہے“ (دیکھیے آئین مجریہ، / نومبر، ۶ء ص ۲۰) مضمون نگار کا یہ لکھا کہ ”فی الواقع ان کے پاس اسے کتابت کی غلطی ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں تھا“۔ حقیقت پسندانہ رویہ نہیں ہے۔

اس جگہ فیس منی آرڈر کا تذکرہ بھی مضمون نگار نے ناظرین کو یہ باور کرانے کے لیے کیا ہے کہ مولانا مرحوم کے فتاویٰ جمہور علماء کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔ حالانکہ منی آرڈر کی فیس کے متعلق علماء ہمیشہ یہ غور کرتے رہے ہیں کہ وہ شرعاً کس عقد صحیح میں داخل ہے، اس کو جمہور علماء کے فتویٰ سے مختلف کنا صحیح نہیں ہے۔ جمہور علماء نے جو منی آرڈر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ ایک تاویل سے دیا ہے اس کے سمجھنے کے لیے علوم فقہیہ میں مہارت اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ”امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۰۵ سے ۱۰۸ تک ملاحظہ کیا جائے۔

اسی طرح فتاویٰ رشیدیہ کے ایک دوسرے فتویٰ:

”جیسا کہ روافض و خوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین و صحابہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو کافر کہتے ہیں“۔ کو مذکورہ فتویٰ کی تائید میں

پیش کر کے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ”اس فتویٰ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابت کی غلطی نہیں ہے بلکہ مولانا مرحوم کا نظریہ یہی تھا کہ مکفر صحابہ سنت و جماعت سے خارج نہ ہوگا۔“ (آئین شمارہ ۶/۱۶) اس لیے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس دوسرے فتویٰ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر علماء مکفر صحابہ کو کافر نہیں کہتے مگر اس سے مولانا کا یہ نظریہ کیسے معلوم ہوا کہ ”مکفر صحابہ سنت و جماعت سے خارج نہ ہوگا۔“ کیا کافر نہ ہونا اور سنت و جماعت سے خارج نہ ہونا لازماً ایک ہی چیز ہے اس لیے کافر نہ ہونے سے سنت و جماعت سے خارج نہ ہونا بھی لازم آگیا؟

پھر اگر مضمون نگار کو یہ لزوم تسلیم ہے تو کتابت کی غلطی کے بغیر ہی فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت جس کا حاصل یہ ہے کہ ”مکفر صحابہ سنت و جماعت سے خارج نہ ہوگا“ درست اور صحیح ہو جائے گی کیونکہ سنت و جماعت سے خارج نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ مکفر صحابہ کافر نہ ہوگا جیسا کہ اکثر علماء کا یہی نظریہ ہے کہ مکفر صحابہ کو کافر نہیں کہتے۔

اس صورت میں یہ فتویٰ اپنی موجودہ عبارت کے ساتھ ہی اکثر علماء کے موافق ہوگا۔ فقط والسلام

فقہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
 بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہیل رسالہ ”الفتوح فیما یتعلق بالروح“

بعنی
 روح کی حقیقت

بعد الحمد والصلوة گزارش آنکہ روح انسانی کے متعلق بحث کے قابل کل پانچ مذاہب ہیں :

- (۱) ایک حکماء متقدمین کا۔ ان کے نزدیک روح جوہر مجرد قدیم ہے۔
- (۲) دوسرا حکماء متاخرین کا وہ کہتے ہیں کہ وہ جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے۔ اس کو حکماء نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔
- (۳) تیسرا مذہب صوفیاء اہل مکاشفہ کا ہے ان کے نزدیک روح جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے اور وہی مدبر بدن ہے۔
- (۴) چوتھا مذہب علماء متکلمین اور اکثر اہل کلام و علماء ظاہر کا ہے کہ روح جسم لطیف غیر عرضی ہے جو تمام بدن میں نفوذ کیے ہوئے ہے اور اسی سے بدن کی حیات قائم ہے۔

(۵) پانچواں قول اطباء کا ہے کہ وہ ایک جسم عرضی یعنی بخار ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور باختلاف محل افعال مختلفہ کا مصدر ہوتا ہے، چنانچہ قلب میں اس کے متعلق ابقاء حیات ہے اور اس اعتبار سے اس کا نام روح حیوانی ہے اور کبد میں اس کے متعلق ہضم ہے اور اس اعتبار سے اس کا نام روح طبعی ہے اور دماغ میں اس

کے متعلق احساس و ادراک ہے اور اس مرتبہ میں اس کا نام روح نفسانی ہے۔
مذہب اول و دوم کی بنا محض عقلی دلائل ہیں اور ان کا مخدوش ہونا مذہب
کلامیہ میں مبوط ہے۔

اور مذہب اول کا باطل ہونا تو دلیل عقلی سے بھی ثابت ہے کیونکہ غیر اللہ
کا قدیم ہونا دلیل عقلی سے باطل ہے۔

اور مذہب دوم حدوث روح بعد البدن پر گو حکماء نے دلیل عقلی قائم کی ہے
لیکن اس کے مقدمات مخدوش ہیں جیسا کہ ”درایۃ العصمہ“ میں مذکور ہے۔ اور دلیل
نفسی اس حدوث بعد البدن کے وقوع کا ابطال کرتی ہے، چنانچہ حدیث مرفوعہ میں
ہے: الارواح جنود مجنونة (رواہ البخاری) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح
ایک حالت میں سب مجتمع اور اکٹھی نہیں، اور ظاہر ہے کہ بعد تعلق بالبدن کے جمیع
ارواح کا یہ اجتماع کسی مقام میں اب تک واقع نہیں ہوا، پس لامحالہ یہ اجتماع بدن کے
ساتھ ارواح کے تعلق سے پہلے تھا جس سے ثابت ہوا کہ قبل تعلق بالابدان کے ارواح
موجود ہو چکی تھیں۔ پس حدوث بعد البدن باطل ہے۔ چنانچہ حاشیہ لمعات میں بھی اس
حدیث سے حدوث ارواح قبل البدن پر استدلال کیا ہے۔

غرض مذہب اول و ثانی باطل ٹھہرے۔

تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی دلیل شرعی
کے مخالف نہ ہو تو صحت کو محتمل ہے ورنہ نہیں، اور یہ کشف کسی دلیل شرعی کے
مخالف نہیں ہے پس صحت کو محتمل ہوا۔

اور پانچویں مذہب کی دلیل مشاہدہ ہے جو کہ شرعاً حجت ہے اور اگر وہ کسی
دلیل شرعی کے ظاہراً مخالف ہو تو دلیل شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے، لیکن یہاں

یہ مخالفت نہیں ہے۔

اور چوتھے مذہب کی دلیل ظاہر نصوص شرعیہ ہیں۔ چنانچہ سورۃ سجدہ میں ہے: ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ اس سے معلوم ہوا روح متقوٰخ ہے اور متقوٰخ کا جسم ہونا ضروری ہے لیکن وہ غیر ہے سوئی کا اور سوئی جسم عنصری ہے، پس جسم عنصری کا غیر ہوا اور جسم ہونا متقوٰخ ہونے سے ابھی ثابت ہوا، پس جسم غیر عنصری ہوا۔ اور یہ معنی مغایرت کے ظاہری ہیں ورنہ فی نفسہ احتمال یہ بھی ہے کہ باوجود عنصری ہونے کے مغایرت محض مصداق میں ہو، مگر ظاہر ہونا اس کا اس وجہ سے ہے کہ اگر یہ عنصری ہوتا تو تو یہ کا متعلق اس کو بھی ٹھہرانا ظاہراً مناسب تھا، پس آیت اس مدعی میں ظنی الدلائل ہوئی جو مسئلہ ظنیہ میں دلیل کافی ہے۔ اور سورۃ مومنون میں بعد علقہ، ومغضنہ، وکسوة عظام باللحم کے ثم انشأناہ خلقاً آخر فرمایا ہے جس سے مراد یقیناً نفخ روح ہے اور علقہ وغیرہ عنصری ہیں اور پھر اس نفخ روح کو خلق آخر فرمایا جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوع آخر ہے پس یہ غیر عنصری ہو گا اور جسم ہونا اوپر ثابت ہو چکا پس جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہو گیا۔

نیز دوسری مخلوقات کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے: واللہ خلق کل دابة من ماء اور فرمایا ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین اور فرمایا وخلق الجن من مارج من نار۔ اور ملائکہ کو حدیث میں مخلوق من النور فرمایا ہے (رواہ مسلم) پس ان نصوص میں ان مخلوقات کا مادہ باوجود کسی کے نہ پوچھنے کے بتلایا ہے اور روح کے بارہ میں باوجود سوال کیے جانے کے فرمایا: قل الروح من امر ربی۔ جس سے عند التامل معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح عنصر سے مکون ہوتی تو جوہ میں من الہواء یا اس کے مثل فرما دیتے۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی عنصر سے مکون نہیں اور جسم ہونا اوپر ثابت

ہو چکا تو اس کا قوام کسی ایسے لطیف مادہ سے ہوا ہے جس کو من النور بھی نہیں فرمایا۔
 نیز احادیث میں ہے: اذا خرجت روح المؤمن اور انطلقوا بہ اور
 يعاد روحہ اور ارواح المؤمنین فی طیر خضر معلق بشجر الجنة وغير
 ذلك اور خروج اور انطلاق اور عود اور دخول فی خوالب الطيور یہ سب
 خواص اجسام سے ہیں اور غیر عنصری ہونا پہلے ثابت ہو چکا پس جسم غیر عنصری ہوا۔
 حدیثوں میں اسی روح کا نام نفس اور نسمة بھی آیا ہے۔ اور کتاب و سنت میں
 زیادہ بحث اسی روح سے کی گئی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

قل الروح من امر ربي الخ۔ روح کے متعلق احکام مذکورہ کے غیر معلوم
 ہونے کا شبہ نہ کیا جاوے، کیونکہ مقصود اس سے علم بالکنہ کی نفی ہے اور جو مذکور ہوا
 اس سے علم بالوجہ کا اثبات ہوتا ہے۔ فلا منافاة۔ چنانچہ جواب میں من امر
 ربي فرمانا اسی بنا پر ہے کہ اس جسم کی حقیقت مبین نہیں ہوتی جو کہ نور سے بھی زیادہ ا
 لطف ہے۔

جب اس چوتھے مذہب کا مدلول نصوص ہونا ثابت ہو گیا اور مذہب ثالث
 اور خامس اس کے معارض ہیں تو بظاہر یہ متوہم ہوتا ہے کہ ثالث تو بوجہ اس کے کہ
 اس کی بنام کاشفہ ہے باطل ہو گا اور خامس چونکہ مشاہد ہے اس کی وجہ سے نصوص
 مذکورہ میں تاویل واجب ہوگی، سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ تعارض اس وقت ہوتا ہے
 جب ایک دوسرے کی نفی کرتا اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان
 کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل نے ایک ایک امر کا اثبات کیا
 ہے، اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا نام روح رکھا ہے اور اس نے دوسرے سے

تعرض نہیں کیا نہ اثباتاً نہ نفیاً تو اب اس میں کچھ اشکال نہیں رہے گا اور چونکہ اکثر محققین کے کلام سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے مظنون یہ ہے کہ بدن انسانی کے ساتھ تینوں متعلق ہیں، اس طرح سے کہ روح بمعنی جوہر مجرد کا تعلق بدن سے بواسطہ روح یعنی جسم عنصری کے ہے اور روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بواسطہ روح طبعی بمعنی جسم عنصری کے ہے۔ اول کا فعل بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے۔

موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے، ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف بھی معارق ہو جاتا ہے۔ اور بعد خروج یہ ثالث عناصر میں مل جاتی ہے جیسا کہ اصل میں یہ جز عناصر ہے، اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جو کہ ایک مکان ہے جس کا بیان آگے آتا ہے اور اول چونکہ مجرد ہے اس لیے وہ کسی مکان میں نہیں کیونکہ مکان خواص مادہ اور مادیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی اسی طرح وہ مکان میں نہ تھی اس لیے اس کو مکانی کہتے ہیں۔ اور مجازاً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ لامکان میں رہتی ہے۔ اور صوفیہ نے لطائف کی بحث میں اس کی نسبت اسی معنی کو کہا ہے کہ فوق العرش ہے جس کے معنی یہ نہیں کہ عرش کے اوپر رہتی ہے بلکہ چونکہ عرش منتہی ہے امکانہ ثابتہ بالذلیل کا اور یہ امکانہ سے مجرد ہے اس لیے فوق العرش کنایہ ہے غیر مکانی ہونے سے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں سے عماء بھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس سوال پر ابن کان رہنما حضور ﷺ نے جواب میں فی عماء فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات باری تعالیٰ سے منقذ ہے پس عماء لامکان ہی کو فرمایا ہے۔

ہرچند کہ اکثر متکلمین نے ممکنات میں مجرد کے پائے جانے سے انکار کیا ہے

بلکہ بعض نے قائلین بوجود الجرد کی تکفیر تک کی ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ نفس تجرد کے ابطال پر کوئی دلیل نہیں البتہ مجرد کا قدم یہ بے شک باطل ہے، عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ اور تجرد کے ابطال کی جو دلیل انہوں نے بیان کی ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے اس لیے اس میں دوسرا مشارک نہیں اور اسی بنا پر تکفیر بھی کی ہے سو خود یہ مقدمہ ممنوع ہے بلکہ ممکن ہے اور واقع میں صحیح یہ ہے کہ اخص صفات صرف وجوب بالذات اور قدم مطلق ہے، پس اگر کوئی ایسے مجرد کا قائل ہو جو ممکن اور حادث بمعنی مسبوق بالعدم الواقعی ہو جیسا کہ صوفیاء نے ارواح کے تجرد کا قول کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ پس ثابت ہوا کہ ان تینوں مذاہب میں تعارض نہیں ہے۔

ثواب و عقاب کون سی روح کو ہوتا ہے؟

رہی یہ بات کہ ثواب و عقاب کس روح کو ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی؟ سو روح طبعی تو اوپر معلوم ہو چکا کہ وہ خروج از بدن کے بعد عناصر میں مل جاتی ہے اور اس پر عقاب و ثواب گو ممکن ہے مگر کہیں مذکور نہیں اس لیے اس کے ثواب و عقاب کے قائل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ مورد ثواب و عقاب نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ متحیل ہو کر پھر غذا بنے پھر اس غذا سے کسی دوسرے متغذی کے بدن میں بخار لطیف پیدا ہو اور اس شخص کے اعمال پہلے شخص کے خلاف ہوں پھر اس کے مرنے کے بعد اسی روح پر عقاب و ثواب ہو تو لازم آئے گا کہ روح واحد کا معذب و متنعم ہونا اور یہ باطل ہے۔ نیز اس روح کا ہمیشہ گھٹنا بڑھنا حرکت سے تحلیل ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اور روح مذکور فی الشرع کا (جس پر عذاب و ثواب کا ذکر آیا ہے) بقاء نصوص سے معلوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ بخار مورد عذاب ہے نہ مورد ثواب۔ نیز یہ بخار یہاں ہی رہ جاتا ہے اور روح شرعی کو ملائکہ کالے جانا وارد ہے

اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اب دو روحوں باقی رہ گئیں ایک غیر عنصری، دوسری مجرد سوایا مظنون ہوتا ہے کہ دونوں مثاب و معاقب ہیں لیکن غیر عنصری کو تو ثواب و عتاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عتاب عقلی ہوتا ہے قبریں بھی اور آخرت میں بھی اور غالباً اب یعنی دنیا میں بھی کسی کو راحت و کلفت پہنچنے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں متالم و متنعم ہوتی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ ان دونوں روحوں کا تالم و تنعم بواسطہ تعلق بدن کے ہے یا بلا واسطہ سو ممکن تو دونوں امر ہیں لیکن نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے اس روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے، اب یہ کہ وہ کون سا بدن ہے آیا یہی بدن ذیوی یا اور کوئی بدن تو اس کی کوئی ایسی تصریح وارد نہیں جس میں احتمال مخالف نہ رہے لیکن مظنون یہ ہے کہ وہ دو سدا بدن ہے جیسا حدیثوں میں اجواف طیر خضر وغیرہ آیا ہے، اس بطن کو اہل کشف بدن مثالی کہتے ہیں، یعنی وہ بدن اسی بدن کی مثل یعنی خاص خاص صفات و کیفیات میں اس کے مشابہ ہے۔

البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض وعود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن ذیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح و بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادۃً کسی حکمت سے اسی وقت شرط ہو جبکہ جسد عنصری باقی ہو۔ اور اگر وہ متفرق اور متلاشی ہو گیا ہو تو سوال وغیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں پھر بعد سوال اس روح کا پھر

آسمان کی طرف لیجایا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح ملتی ہیں کیونکہ آخر ان سے بھی یقیناً کبھی سوال ہوا تھا۔

رہا حدیث نم کنو مة العروس جس سے بظاہر روح کا قبر میں ہونا متوہم ہوتا ہے سو عند التامل اس قول کے فی القبر ہونے سے روح کا قبر میں ہونا لازم نہیں آتا کہ معارض عروج علیین کے ہوگو من وجہ قبر سے بھی تعلق رہتا ہو۔ اور نوم کہ عبارت ہے راحت سے نیز منافی لقاء و کلام کے نہیں۔

اب جو لوگ ثواب و عذاب قبر کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ صرف روح کو جسد مثالی کے ساتھ ہوتا ہے اور بدن عنصری کے ساتھ ارواح کا عالم برزخ میں کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اس عقیدہ کو وہ لوگ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بھی غور کریں کہ اس عبارت میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرما رہے ہیں کہ بوقت سوال قبر روح کو بدن مثالی کے ساتھ زمین کی طرف لوٹا کر اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کا ایک گونہ تعلق قائم کیا جاتا ہے اور سوال قبر کے بعد اس مجموعہ روح اور بدن مثالی کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے مگر اس مجموعہ روح اور بدن مثالی کا ایک گونہ تعلق قبر سے بھی رہتا ہے۔ جس جگہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جسد مثالی کے ساتھ عذاب قبر کا متعلق ہونا بیان فرمایا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ارواح کا تالم و تنعم جو ہوتا ہے وہ جسد مثالی کے واسطے سے ہوتا ہے، بغیر جسد مثالی کے ارواح کا تالم و تنعم نہیں ہوتا، گویا ارواح کے تالم و تنعم کی صورت یہ بتلائی گئی ہے کہ جسد مثالی میں ہو کر ان کو تنعم اور تغذیب ہوگی، یہ صورت نہیں ہے کہ صرف ارواح کو تنعم و تغذیب بغیر جسد مثالی کے ہوتی ہو اور نہ ان کی یہ مراد ہے کہ اس جسد عنصری کے ساتھ ارواح کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عروج علیین کے باوجود اس

بدن عنصری سے ارواح کے ایک گونہ تعلق کے مثبت ہیں، حتیٰ کہ بدن میت کے تفرق کے بعد بھی اگر وہ سالم نہ ہو ہر ذرہ کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تعلق کو ثابت فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب ”المصالح العقلیہ“ میں فرماتے ہیں :

”غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے مقام ملتا ہے۔۔۔۔۔ [[پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقاء ارواح کرتا ہے]]“
(ج ۳ ص ۱۲۷)

آگے تحریر فرماتے ہیں :

”اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزاء بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گونیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سچین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کر دیں خواہ جلادیں، خواہ وہ ڈوب جائے، ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتراز فہم) رہتا ہے۔۔۔۔۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سچین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے“ (المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۱۲۸)

اور امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں :

جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح باقی رہتی ہے۔۔۔۔۔ اور مقام اس کا برنخ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور اسی جگہ اس کو عذاب و ضعف ہوتا رہتا ہے، خواہ جسد کہیں ہو، اور درندوں نے کھالیا ہو، یا سوختہ ہو کر متفرق ہو گیا ہو، البتہ اجزاء جسدیہ کے ساتھ اس

کو کچھ تعلق رہتا ہے“ (ج ۶ ص ۱۳۴)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خط کشیدہ الفاظ بہت قابل لحاظ اور مستحق غور ہیں کہ حضرت ان الفاظ میں تعلق ارواح کے مسئلہ کو ”مسئلہ مسئلہ“ فرماتے ہوئے اس کے انکار کو اس گمراہ فرقے کی طرف منسوب فرما رہے ہیں جو روحوں کے باقی رہنے کا منکر ہے گویا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صورت ناممکن ہے کہ کوئی شخص موت کے بعد ارواح کو تو باقی رکھے اور ان کا تعلق قبر کے ساتھ تسلیم نہ کرے، بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بقاء ارواح کے قول کے ساتھ اس تعلق کو ماننا ضروری ہے۔

تنبیہ

ایک روح کا علی سبیل التعاقب بدن عنصری، پھر بدن مثالی کے ساتھ متعلق ہونا مستلزم تنازع کو نہیں ہے کیونکہ تنازع کی حقیقت یہ ہے کہ دو سرا بدن جو مثل بدن اول کے ہوں وہ ثناء و بقاء و فناء اس کے ساتھ روح اول کا متعلق ہونا بغرض جزاء و سزا کے ہواور یہ قیود یہاں مفقود ہیں، یہ تشل کہلاتا ہے جیسا کہ ملائکہ کا ہوتا ہے جبکہ اس عالم میں نظر آتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: فتمثل لها بشر اسویا۔

اب رہا قصہ آخرت کا سو نصوص میں تصریح ہے کہ یہی بدن عنصری زندہ کیا جاوے گا، چنانچہ ارشاد ہے: کما بدأنا اول خلق نعیدہ، ومثلہ فی الاعدایث۔ اور اس بدن کے ساتھ وہ روح بمعنی جسم غیر عنصری تو ضروری متعلق ہوگی، لیکن یہ روح عنصری ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی متعلق ہو کیونکہ یہ بھی اجزاء بدن سے ہے پس حشر میں یہ بھی شریک ہوگا۔

ایک اشکال کا حل

اور یہ اشکال کہ اس بدن کو کسی نے کھالیا ہوا اور وہ اس کا جزء بدن ہو گیا ہو یا یہ

بخارات کسی اور کے جزء بدن ہو گئے ہوں، پھر یہ کیسے اعادہ کیے جاویں گے، اس طریقہ سے حل ہے کہ ان میں سے کچھ اجزاء اصلیت ایسے ہوں کہ وہ اس دستبرد سے محفوظ رہتے ہوں وہ سب اعادہ کیے جاویں۔

رہا روح مجرد کا تعلق سو مظنون یہ ہے کہ قبر اور آخرت دونوں میں وہ مثل تعلق دنیوی کے ہو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول کما بدأنا اول خلق نعیدہ کا ظاہر ہے کیونکہ تشبیہ کا تام ہونا جیسا کہ ظاہراً تشبیہ کامل لول ہے اسی کو مقتضی ہے۔ پھر جنت و دوزخ میں یہی بدن جاوے گا اور اسی کے واسطے سے روح کو الم اور لذت ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ روح مجرد کو عتاب و ثواب عقلی ہو گا اور روح مادی کو حسی، واللہ اعلم۔
فائدہ

روح کے متعلق جو من امر ربی ارشاد ہے اس میں من علت کا ہے تبعضیہ نہیں، یعنی روح امر رب کی وجہ سے ہے، مطلب یہ کہ روح ایسی چیز ہے جو امر رب سے پیدا ہوئی ہے، محققین کے نزدیک چونکہ روح عالم مادہ میں سے اور عرضی نہیں ہے، بلکہ عالم مجردات میں سے ہے اس لیے اس سے زیادہ سمجھ میں نہ آتا کہ خدا کے حکم سے پیدا کی ہوئی ہے۔ یہ تو روح حقیقی ہے، ایک روح مادی ہوتی ہے اس میں دو صورتیں ہیں ایک روح طبی ہے جو بخارات سے بنتی ہے، یہ مرنے کے وقت فنا ہو جاتی ہے، اور ایک اس کے علاوہ اور روح ہے جس کو حدیث میں نسفہ کہا ہے، اس کی ایسی شکل جیسی بدن انسانی کی، ہاتھ، پیر، ناک، آنکھ، سب اعضاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس کی ہیئت منطبق ہے اس پیکر پر اور جسم لطیف ہے، وہ عرض نہیں۔ وہ مرنے کے بعد باقی رہتی ہے، اور روح حقیقی انسان کے اندر داخل نہیں ہوتی بلکہ اس کو جسم سے ایک قسم کا تعلق ہے۔ جیسے بادشاہ کو اپنی تمام رعایا سے تعلق ہوتا ہے۔ یہ

صوفیہ کی تحقیق ایسی ہے کہ اس کے بعد تمام قرآن حدیث اس پر منطبق ہو جاتے ہیں۔ (از حسن العزیز ص ۵۰ ج ۱)

فائدہ

جانوروں میں روح طبعی تو ہے ہی اور روح بمعنی نسمہ میں شبہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جانور بھی محسوس ہوں گے، اب یا تو حق تعالیٰ روح طبعی ہی کو ان میں پیدا فرماویں گے یا نسمہ بھی ان میں ہوتا ہو دونوں احتمال ہیں، البتہ روح مجردان میں نہیں ہوتی۔ (از حسن العزیز ص ۵۱ ج ۱)

فائدہ

ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اسی روح کے متعلق سوال تھا جس سے انسان زندہ ہے کیونکہ جب مطلق روح بولتے ہیں یہی مفہوم ہوتی ہے اور جواب سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نصوص میں اس کی حقیقت ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتلائی ہے اور ضروری عقیدہ اس کے حدوث کا ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اب یہ امر کہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کا انکشاف ہو سکتا ہے یا ہوتا ہے، آیت اس کے اثبات اور نفی دونوں سے ساکت ہے پس دونوں امر محتمل ہیں اور کوئی شق معارض نص کے نہیں، نص علیہ فی حجة الله البالغة۔ (از بیان القرآن) فقط

یہ تحریر خلاصہ اور تسلیل ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون ”الفتوح“ کی جو بحمد اللہ تعالیٰ دن کے صرف پانچ گھنٹوں میں مکمل ہو گئی ہے۔

یکم ذوالقعدة ۱۳۸۷ھ پرنشتر

جناب پروفیسر مسعود احسن علوی مرحوم

اسلام اور ترقی (قسط ۱)

افادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام میں ترقی کی اہمیت

لوگ کہتے ہیں کہ علماء اسلام ترقی سے روکتے ہیں، میں کہتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے، بلکہ عام طور پر لوگ تو عقلی طریقہ سے ترقی کو ضروری ثابت کرتے ہیں اور میں اسے شرعی فرض کہتا ہوں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ مِّنْهُ مَوْجِدٌ لِّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ یعنی ہر قوم کے لیے قبلہ کی ایک جہت مقرر ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے تو تم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں آگے بڑھو۔ ہم کو تو استباق یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم ہے اور یہی ترقی ہے، تو ترقی کی ضرورت قرآن شریف سے ثابت ہے بلکہ ”فاستبقوا“ امر کا لفظ ہے جو فرض ہونے کا تقاضا کرتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اسلام میں ترقی کرنا فرض ہے۔ اب کس کی مجال ہے کہ ترقی سے روک سکے۔ لہذا علماء کرام پر یہ الزام بالکل تہمت ہے قرآنی فرض سے کوئی کسے روک سکتا ہے؟ بس فرق اس قدر ہے کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دوسری قوموں کے قدم بقدم چل کر ترقی کرو اور علماء یہ کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن کے اس طرح ترقی کرو۔ (العبرہ بذبح البقرہ ص ۴۵)

تجارت و زراعت کی اہمیت

باقی رہی کسب دنیا تو وہ خاص قیود کے ساتھ ضروری ہی نہیں بلکہ آپ سن کر

تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے سے تجارت فرض کفایہ ہے اسی طرح زراعت بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ زندگی موقوف ہے ان چیزوں پر اور ضروریات معاش کی تحصیل فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض کے کر لینے سے بقیہ لوگوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اس لیے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ علماء کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بحلافرض کفایہ سے کون منع کر سکتا ہے؟۔ (خیر المال للرجال)

حصول مال و عزت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں : وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ یعنی اللہ ہی کے لیے ہے عزت اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو گا وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا۔ علماء صرف طریق ترقی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کلکتہ کانگٹ لے کر پشاور نہیں پہنچ سکتے۔ صحیح طریق وہ جو اللہ و رسول نے بتایا ہے مگر اس طریق کی تحقیق کے لیے یہ سمجھیے کہ عزت حاصل کرنے کی غرض کیا ہے اور وہ کیوں ضروری ہے۔ لوگ جو ترقی و عزت چاہتے ہیں اس کی غرض محض بڑا بننا ہے مگر اس کی اصلی وجہ بیان کرتا ہوں اصل یہ ہے کہ عقلی طریقہ پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے نفع حاصل کرنا اور ضرر سے بچنا۔ آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یا نفع حاصل کرتا ہے یا ضرر سے بچتا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھیے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں اور اس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے کہ مال تو فائدہ کے حاصل کرنے کے واسطے اور عزت ضرر سے بچانے کے لیے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عزت اور مال دونوں پسندیدہ ہیں اور حاصل کرنے کے قابل ہیں بشرطیکہ طریقہ سے ہوں۔ شریعت کی حد میں رہ کر ہوں اور جو لوگ

مال اور عزت حاصل کرنے کی برائی کرتے ہیں ان کا مطلب مال کی محبت اور عزت کی محبت سے منع کرنا ہے۔ اور محبت بھی ایسی جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے۔ (العبرہ)

مال کی محبت کا صحیح مصرف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس راز پر مبنی عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ سے بے شمار مال و دولت لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطر المقنطرة من الذهب والفضة کہ لوگوں کی نظر میں اپنی شہوتوں (یا خواہش) کی محبت مستحسن کر دی گئی ہے یعنی عورتوں، اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کر دی گئی ہے۔

اور اے پروردگار! جب آپ نے خود ہی کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کر دیا ہے تو یہ درخواست کرنا کہ ہمارے دل میں اس کی محبت ہی نہ رہے خلاف ادب ہے اس لیے ہم یہ درخواست نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا دیجیے۔

مقصود ترقی بھلائی کی ہے یا برائی کی

ترقی اچھی باتوں میں بھی ہوتی ہے اور بری باتوں میں بھی مگر بھلائیوں میں تو ترقی کو شش کر کے حاصل کرنے کے قابل ہے اور برائیوں میں نہیں۔ ورنہ ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ مجھے ڈاکہ سے کیوں منع کیا جاتا ہے میں تو ترقی کرنا چاہتا ہوں بلکہ اسی طرح ہر دھوکہ باز کو، چور کو، گرہ کٹ کو، کفن چور کو، رشوت لینے والے کو، سود خور کو، سٹہ باز کو، غرض ہر بد معاش کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو گا۔ اس لیے بھلائی

میں تو ترقی ترقی ہے اور برائی میں ترقی بری ہے تو اب جس ترقی کو اور لوگ کہتے ہیں یا تو وہ اس کا بھلا ہونا ثابت کر دیں یا جس ترقی کو علماء اسلام کہتے ہیں ہم اس کا بھلا ہونا ثابت کر دیں، خود ترقی کرنا تو ضروری اور فرض ہے مگر ان طریقوں نے ترقی کو برائی میں ترقی بنا دیا ہے۔ (العبرہ)

حقیقت ترقی

آج کل جس چیز کا نام ترقی رکھ لیا گیا ہے اس کی حقیقت ہے حرص، طول امل، خود غرضی۔ اور قطع نظر شریعت سے یہ چیزیں تو عقلاً بھی ناجائز ہیں مگر لوگوں نے حرص و ہوس وغیرہ کا ایک خوبصورت نام ترقی رکھ لیا ہے، مگر صرف نام رکھ لینے سے حقیقت تو نہ بدلے گی میں اس کو مفصل بیان کرتا مگر یہ موقع اس کے لیے کافی نہیں، میں اجمالاً ایک مختصر بات کہتا ہوں وہ یہ کہ عقلاً اول اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ ترقی کی حقیقت کیا ہے؟ پس خوب سمجھ لو کہ ترقی کی حقیقت وہی ہے جس کی قرآن شریف اجازت دیتا ہو یعنی حلال طریقہ سے بڑھائیوں کہ یہ دو حال سے خالی نہیں کہ جائز ترقی محدود ہے یا غیر محدود ہے۔ اگر محدود ہے تو اس کی حد بیان کیجئے اور ان شاء اللہ شریعت سے بہتر اس کی حدود کوئی بھی نہ بیان کر سکے گا۔ اور اگر غیر محدود ہے یعنی اس میں کوئی قید نہیں اگر اس میں مضرتیں بھی ہوں تو اس کی بھی اجازت دی جاوے تو کیا خدا تعالیٰ سے جو کہ بوجہ علیم و خبیر و رحیم و عظیم ہونے کے سب سے زیادہ مصالح عباد کی رعایت فرماتے ہیں۔ اس ترقی غیر محدود کی اباحت کی توقع رکھ سکتے ہو؟ حالانکہ گورنمنٹ سے بھی جس کی نظر مصالح کو اس قدر محیط نہیں تم اس کی توقع نہیں کر سکتے، دنیا کی ہر گورنمنٹ صرف محدود ترقی کی اجازت دیتی ہے اور آپ کو مقید بناتی ہے۔ ترقی غیر محدود کی کوئی گورنمنٹ اجازت نہیں دے سکتی، تو کیا خدا تعالیٰ کو یہ حق نہیں کہ وہ آپ کو مقید کریں اور اگر کوئی عدم

احاطہ واقعات کے سبب یہ کہے کہ گورنمنٹ تو غیر محدود ترقی کی اجازت دیتی ہے چنانچہ بہت سے ذرائع غیر مشروع کی قانون میں اجازت ہے تو چاہئے کہ آج سے ڈکیتی کیجئے، دوسروں کے مال چھین چھین کے خوب اپنا مال بڑھائیے، اس کے بعد اگر آپ عدالت میں پکڑے ہوئے جائیں تو صاف کہہ دیں کہ ہم تو ترقی کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا عدالت اس کو قبول کر لے گی؟ اگر نہیں قبول کرے گی تو پھر ثابت ہو گیا کہ گورنمنٹ نے ترقی کی یہ حد قائم کی ہے کہ ڈکیتی نہ ہو، چوری نہ ہو، غضب نہ ہو، پس جب گورنمنٹ ترقی کے لیے حدود قائم کر سکتی ہے تو کیا خدا تعالیٰ حدود قائم نہیں کر سکتے؟ افسوس ہے کہ گورنمنٹ سے تو غیر محدود ترقی کی امید نہ رکھیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ امید ہو کہ ترقی غیر محدود کی اجازت دیں اور اگر ترقی غیر محدود مطلوب ہے تو اجازت دیجئے کہ میں آپ کا کرتہ اتار لوں اور آپ کا مکان اور جائیداد چھین لوں کیونکہ آپ کے نزدیک ترقی کی کوئی حد تو ہے ہی نہیں، اگر آپ کو یہ گوارا ہو تو میں ادب سے عرض کروں گا کہ آپ میرے خطاب کے قابل نہیں ایسا شخص تو مجنون ہے جس کو ڈاکٹر سے جنون کا سرٹیفکیٹ لینا چاہئے۔ غرض یہ کہ ترقی و تمدن کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس میں شریعت نے تنگی نہیں کی شریعت نے اجازت دی ہے ترقی کی مگر اس کے حدود ہیں۔ (وعظ احکام الجاہ)

اسلاف کی ترقی اور موجودہ ترقی

موجودہ ترقی کا حاصل تو حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو حضور ﷺ کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی، نہ حضور ﷺ نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی، نہ حضور ﷺ ہی کی سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے۔ ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی۔ اگرچہ اس کے

ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی کہ آج لوگوں کو خواب میں نصیب نہیں لیکن مقصود صرف دینی ترقی تھی، چنانچہ ان کی اس شان کو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: الذین ان مکنہم الخ (یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں، زکوٰۃ دیتے رہا کریں اور بھلائیوں کا حکم اور برائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں) یہ ہے ترقی کے بعد ان خیالات کا نقشہ جس میں کسی شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ (تجارت آخرت ۲ تا ۴)

دوسری قوموں کے سامان عیش کو دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی اور سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو دنیا زیادہ نہ ملے، اگر ہم کو زیادہ مال دیا جاتا تو رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے، آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ ہماری نیت تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو سامان زیادہ دیں تو خوب نیک کام کریں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب خرچ کریں تو یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ جانتے ہیں، آپ کو کیا خبر ہے کہ اس وقت آپ کے جوارادے ہیں زیادہ مال ملنے کے بعد بھی یہ باقی رہیں گے یا نہیں، اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کون نیک نیت ہو گا مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا کہ تمہاری کیا حالت ہو گی جبکہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے اور تمہارے پاس زیادتی کے ساتھ مال و سامان اور غلام و نوکر ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت ہم اللہ کی عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائیں گے نتفرغ العبادۃ ونکفی المونۃ (ہم عبادت کے لیے فارغ ہو جائیں گے اور مشقت سے بچ جائیں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری وہ حالت اچھی ہے جو آج کل ہے۔

جب حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے زیادہ پسند نہیں کیا حالانکہ ان حضرات نے واقعی زیادہ سامان ہونے پر عبادت میں پہلے سے زیادہ ترقی کی ہے اور دنیا میں نہیں گھسے تو اوروں کے لیے کب پسند فرمائیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو دوسری قوموں کا مال دیکھ کر رال نہ ٹپکانہ چاہئے: **أَوَلَمْ تَرَ أَنَا جَاءْتُكُمْ فِي حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا (یہ لوگ تو وہی ہیں جن کو ان کی نعمتیں دنیاوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں) اور آخرت میں تو کافروں کے لیے عذاب ہی ہے۔**

(مظاہر الاحوال ص ۱۸)

حکومت سے مقصود اسلامی نظریات و اعمال میں فرق

لوگ علماء کو کہتے ہیں کہ تم کو سیاست کی کچھ خبر نہیں، یہ وقت جائز و ناجائز کے سوال کا نہیں۔ اب تو جس طرح ہو حکومت کی ترقی ہو نا چاہئے لیکن افسوس ان لوگوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ شریعت میں خود حکومت مقصود ہی نہیں بلکہ ”ملاپن“ چاہا جاتا ہے اور سلطنت و حکومت سے بھی مقصود ”ملاپن“ ہی پھیلا نا ہے کہ جو ایمان سے محروم ہیں ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا جائے یا اپنے میں ملا کر رکھا جائے کہ وہ ایمان اور شریعت کے نور کو دیکھیں اور اپنی آنکھیں کھولیں۔ حکومت سے تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہ ملاپن پسند فرمایا گیا ہے ارشاد ہے الذین ان مکنتهم الخ یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ نماز پڑھتے رہا کریں، زکوٰۃ دیتے رہا کریں اور بھلائی کا حکم اور برائی سے روک ٹوک کرتے رہا کریں۔ (علاج المحرص ص ۱۷)

حاصل یہ ہے کہ مال، عزت، حکومت، تینوں کی ترقی میں خود ان کی ترقی تو زیادہ پسند نہیں ہاں اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہوگی اور اسی سے تینوں ترقیاں خود بخود حاصل ہوتی چلی جائیں گی۔ لیکن اگر یہ تینوں ترقیاں

شریعت کی حد میں رکھ کر ہوں جن سے کسی حکم کا خلاف نہ لازم آئے تب تو بھلائی میں ترقی ہے ورنہ برائی کی ترقی ہے اور بہت بری اور خالص حرص ہے تو یہ سمجھیے کہ لوگوں نے حرص کا نام ترقی رکھ لیا ہے تاکہ یہ عیب چھپا رہے اور پھر کبھی اس کی اصلاح بھی نہ ہو سکے۔ (تسلیل)

اور اگر روپیہ کا نہ ہونا دین کے ضعف کا سبب ہے تو امراء میں دین زیادہ ہونا چاہیے تھا، سو آپ مشاہدہ کر لیں کہ روپیہ والوں میں دین زیادہ ہے یا غریبوں میں۔ دراصل اگر قلب سلیم ہے تو روپیہ کا ہونا نہ ہونا دونوں مضر نہیں اور اگر قلب سلیم نہیں ہے تو روپیہ کا نہ ہونا تو کم مضر اور روپیہ کا ہونا زیادہ مضر ہے۔ (دین و دنیا، طریق النجاة ص ۳۰) ہم نے بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جن کو فراغت نصیب ہو پھر بھی توجہ الی اللہ کی فکر ہو، الا ماشاء اللہ۔ مال کے ساتھ تو زیادہ تر خدا سے غفلت، بے پروائی، غرباء کی تحقیر، بے رحمی اور ظلم ہی کی زیادتی ہوتی ہے۔ (الامتحان ص ۴) زمانہ بدلنے کی حقیقت

اب لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا تم بھی بدل جاؤ، بھائی ہم سے تو اب بدلا نہیں جاتا تمہیں اختیار ہے کسی نے کہا ہے :

زمانہ باتونسازد تو بازمانہ بساز

لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں

زمانہ باتونسازد تو بازمانہ مساز

اور زمانہ کیا بدلتا اگر درحقیقت دیکھا جائے تو زمانہ ہمارا تابع ہے۔ ہم ہی تو زمانہ کو بدلتے ہیں، زمانہ بے چارہ ہمیں کیا بدلے گا جب ہم اپنے آپ کو بدل دیتے ہیں، تب ہی تو زمانہ بدلتا ہے زمانہ ہم سے علیحدہ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے۔ تو جب زمانہ کو ہم خود بدل

سکتے ہیں تو ہم اس کو محفوظ بھی رکھ سکتے ہیں۔ یہ اکبر حسین حج کا نکتہ ہے۔ بڑی اچھی بات ہے کہتے تھے کہ لوگ زمانہ کی برائی کرتے ہیں کہ بھائی کیا کریں زمانہ ہی بدل گیا حالانکہ زمانہ کیا آپ سے آپ بدل جاتا ہے ارے تم خود بدلے ہو تو زمانہ بدلا ہے، جب تم سب بدل گئے تو یہی زمانہ کا بدلنا ہو گیا، زمانہ کوئی مستقل چیز تھوڑا ہی ہے۔ زمانہ تم خود ہی ہو، واقعی سچ کہا ہے زمانہ کی حقیقت تو ہم خود ہی ہیں ہم اگر نہ بدلیں گے زمانہ بھی نہ بدلے کیا اچھی بات کہی بڑا حکیمانہ دماغ تھا۔ (ملفوظات، ملفوظ ۶۱)

مسلمانوں کی ترقی کا معیار

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل تو ایسی گڑبڑ ہو رہی ہے کہ اہل علم تک غلط مسائل بتانے لگے اور احکام شرعیہ میں تحریف کرنے لگے، فرمایا کہ جی ہاں بے سری فوج ایسی ہی ہو ا کرتی ہے، ہر شخص آزاد ہے کوئی سرپر تو ہے نہیں، جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے۔ احکام شریعت کو اپنے اغراض و مقاصد کا آلہ کار بنا رکھا ہے یہ سب خرابیاں قلب میں خدا کی خشیت نہ ہونے سے ہو رہی ہیں۔ عرض کیا کہ بتلانے اور سمجھانے پر یہ جواب دیتے ہیں کہ تم پرانے خیال کے ہو اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب زمانہ ترقی کا ہے فرمایا کہ پرانی تو بہت سی چیزیں ہیں ان کو بھی چھوڑ دینا چاہئے، زمین بھی پرانی ہے آسمان بھی پرانا ہے اور اس میں جو ستارے ہیں مثلاً چاند ہے، سورج ہے، یہ بھی پرانے ہیں ان سے بھی انتفاع نہیں کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ یہ ترقی کا زمانہ ہے تو گویا سلف سے اس وقت تک تنزل ہی رہا لافکھوں کو خبر نہیں کہ اگر ملک و مال جاہ و ثروت ہی ترقی کا معیار ہیں تو پھر شدا اور نرود و فرعون، ہامان، قارون تو انبیاء علیہم السلام سے بھی بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے۔

ارے مسلمانوں کی ترقی کا معیار ہے دین، اگر دین درست ہے اور اللہ راضی

ہے یہ ان کی ترقی ہے اور دین درست نہیں اور اللہ ناراض ہے تو تنزل ہے۔ آخر کفر و اسلام میں فرق ہی کیا ہوا، ہاں اگر دین کے ہوتے ہوئے دنیا بھی تمہارے پاس ہو تو کون منع کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے اشاعت دین اور تبلیغ دین میں اور مدد ملے گی، پھر وہ دنیا دنیا ہی نہ ہوگی بلکہ عین دین ہوگا۔ (الافاضات ۲)

مسلمان مسلمان ہوں، پھر اگر امیر کبیر بھی ہوں بلکہ سلاطین بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں ہاں عیسائی نہ ہوں نہ پجری نہ ہوں، ہندو نہ ہوں، ملحد نہ ہوں مگر لوگ مولویوں کے متعلق نہ معطوم کیا کیا خیال پکائے بیٹھے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو پستی سکھاتے ہیں۔ (الافاضات ۲ ص ۲۷۷ ملفوظ ۲۷۸)

اگر مال کے ساتھ دین پوری طرح محفوظ رہے تو تم کو ترقی دنیا سے کون روکتا ہے، جتنی چاہے ترقی کرو، خواہ بادشاہ ہو جاؤ، خواہ وزیر بن جاؤ، خواہ ہفت اقلیم کو فتح کر لو، مگر حدود کے اندر رہو۔ (الجبر بالصبر ص ۴۳)

وہ شخص دنیا دار نہیں جس کے قلب میں تو محبت ہو خدا اور رسول کی اور ہاتھ میں مال رکھتا ہو جس کی علامت یہ ہے کہ اگر لاکھ روپے ملتے ہوں اور دین کا نقصان ہوتا ہو تو دین کے مقابلہ میں لاکھ روپے پر لات مار دے۔ (الحیوۃ ص ۲۸)

آج کل بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیا کو دین پر مقدم کر کے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ طریقہ سراسر گمراہی ہے کہ دنیا کو مقدم رکھ کر دین کو اس کا تابع بنائیں، اگر دین کو مقدم رکھیں اور پھر حصول دنیا کی فکر کریں بشرطیکہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو تو پھر کامیابی بھی بہت قریب ہے۔ (الافاضات ۵ ص ۲۸۹ ملفوظ ۲۹۶)

کیا ترقی سود کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے

اس زمانہ میں یہ مذاق بہت غالب ہو گیا ہے کہ حرام کو حرام نہیں سمجھتے، لاہور

میں بعض لوگوں کا خیال معلوم ہوا کہ سود کو حلال کرنے کی فکر میں ہیں، تاکہ مسلمانوں کی ترقی ہو، میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ کے زعم کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سود ترقی کا ذریعہ ہے تو یہ سوچئے کہ ترقی کا مدار سود لینے پر ہے یا اس کو حلال سمجھنے پر کیا آپ کے پاس ایسی کوئی دلیل ہے کہ ترقی سود کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے؟ تو پھر اس اعتقاد حلت میں کیوں کوشش کی جاتی ہے اگر سود لیتے ہو تو گناہ سمجھو، یوں تو سمجھو کہ برا کر رہے ہیں۔ (العاقبات الفافلات، ۲۱ / ربیع الاول ۱۳۳۷ھ)

قابل قدر نصیحت

آپ لوگ اگر اپنی پوری اصلاح نہ کر سکیں تو کم از کم دو باتوں کا تواہم کر لیں :

(۱) ایک یہ کہ اپنے عقائد صحیح کر لیں۔

(۲) دوسرے جو ناجائز اعمال آپ کرتے ہیں ان کو حرام سمجھ کر کریں، کھینچ تان کر ان کے جائز کرنے کی کوشش نہ کریں۔

کیونکہ آپ کی لغو تاویل سے حرام فعل حلال تو ہو نہیں سکتا مگر اس تاویل سے یہ مفسدہ لازم آئے گا کہ آپ حرام کو حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے قطعی یا ظنی، تو یہ حالت سخت خطرناک ہے اور اگر حرام سمجھ کر کریں گے تو کفر کا خطہ نہ رہے گا صرف معصیت رہ جائے گی، یہ کفر سے ابھون ہے، دوسرے جب آپ اس کو حرام سمجھتے رہیں گے تو کیا عجب ہے کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے گی، اور اگر مان لیا کہ آپ عمر بھر ان افعال کو نہ چھوڑ سکیں گے تو کفر سے توبہ چاہو رہے گا (علم و عمل ص ۱۲۷)

ترقی کے متعلق چند غلط تصورات

مسلمانوں کے لیڈر بار بار اس میں غور کرتے ہیں کہ دوسری قوموں کی ترقی کا راز کیا ہے مگر اب تک حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا، کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ سود

لیتے ہیں اس وجہ سے ان کو ترقی ہو رہی ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر سود میں ترقی کا اثر ہوتا تو چاہئے تھا کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ سود کے گناہ میں مبتلا ہیں ان کو بھی ترقی ہوتی، حالانکہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ بھی کچھ ترقی پائے ہوئے نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں چونکہ تجارت کی بعض صورتوں کو ناجائز کہا ہے اس لئے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے، مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ معاملوں میں شریعت کی حدود کے پابند کتنے تاجر ہیں، غالباً دو چار کے سوا کوئی نہ ملے گا تو پھر ان تاجروں کو ایسی ترقی کیوں نہ ہوئی یہ کون سے ناجائز معاملے چھوڑ دیتے ہیں۔

کبھی عورتوں کے پردہ کو اتحادینا چاہتے ہیں کہ یہی پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، عورتیں آزاد ہوں گی تو علوم اور صنعت و حرفت سیکھیں گی خود بھی ترقی کریں گی، اولاد کو بھی ترقی کرائیں گی، لیکن یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسلمانوں میں بعض قوموں کی عورتیں پردہ نشین نہیں ہیں اور زیادہ تعداد ایسی غریب قوموں کی ہے جن میں ہمیشہ سے پردہ کا رواج نہیں۔ تو اگر بے پردگی ہی سے ترقی ہوتی ہے تو ان قوموں نے کیوں نہ کر لی، تو معلوم ہوا کہ ایسی ایسی باتیں غیر قوموں کی ترقی کا سبب نہیں۔

(العبرہ ص ۴۴، ۴۵)

ع۔ن۔ت

تعارف کتب

نام کتاب: تحفۃ الاسلام مؤلف: مولانا حافظ اکرام الدین رحمۃ اللہ علیہ
 صفحات: ۹۶ ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ
 زیر نظر کتاب سورۃ فاتحہ کی تفصیلی تفسیر و تشریح پر مشتمل ایک بہترین اور جامع کتاب ہے، جسے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا حافظ اکرام الدین صاحب نے مرتب کیا ہے۔
 یہ کتاب دلچسپ اور اہم علمی نکات پر مشتمل ہے، امید ہے کہ اہل علم حضرات اس کی قدر فرمائیں گے۔

نام کتاب: حسن انتخاب مؤلف: مولانا عطاء الدین محمود زید مجہد
 صفحات: ۱۸۳ ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ
 زیر نظر کتاب دلچسپ واقعات، اقوال زریں، اور حکمت و دانائی کی حکایات کا بہترین اور مفید مجموعہ ہے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی اس کتاب کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”ان مختصر واقعات، دلچسپ حکایات، حیرت انگیز حالات، بزرگان دین کے فرمودات، اہل دل کی دلائل و زیباتیں، چھوٹے چھوٹے قصص و ملفوظات کے مطالعہ سے تصوف، جہاد تعلیم و تربیت، اخلاق اور راہ سلوک کے بعض اہم نکاتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔“ یہ کتاب یقیناً ایسی ہے کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔ امید ہے کہ علم دوست حضرات اس کتاب کی قدر فرمائیں گے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے حکم سے پانچ اکابر علماء امت

شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی،
فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، مفتی اعظم
پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور فقیہ العصر حضرت
مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس اللہ تعالیٰ سرہم کی
تحریر فرمودہ فقہ حنفی کے مستدلات پر مبنی ایک عظیم تفسیر

احکام القرآن

جس میں چھ ہزار سے زائد احکامات کو بیان کیا گیا ہے، سورۃ الفاتحہ سے

سورۃ الناس تک 16 جلدوں میں چھپ گئی ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

042-35422213/0323-4414100